اکیسویں صدی میں

امت مسلمہ کو درپیش چیلنج

ڈاکٹر اعجاز شفیع گیلانی

آج بیسویں صدی کے اختتام اور اگلی صدی کی آمد پر ہمیں پلٹ کر دیکھنا چاہیے کہ اس صدی کے آغاز پر کیا حالات تھے اور کیا چیلنج تھا اور ہم نے اس کا کیسے مقابلہ کیا۔ ہم اس کی روشنی میں یہ دیکھیں گے کہ اب اکیسویں صدی کی آمد پر کیا حالات ہیں اور کیا چیلنج درپیش ہے اور اس کا ہمیں کیسے مقابلہ کرنا ہے؟

بیسویں صدی کا چیلنج کیا تھا؟

آج سے سو برس پیشتر ۱۸۹۸ میں پاکستان کا علاقہ انگریزوں کے قبضے میں تھا۔ اس کے مشرق و مغرب میں، شمال اور جنوب میں، ہر طرف یا تو یورپی طاقتیں قبضہ کر چکی تھیں یا جیسا کہ بعض عرب ممالک میں تھا، قبضے کے لیے پر تول رہی تھیں۔ چنانچہ بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں یہ صورت حال تھی کہ مراکش، الجزائر، تونس، ماریطانیا، لبنان اور شام پر فرانس، لیبیا پر اٹلی، مصر، سوڈان، عراق، فلسطین، خلیج، جنوبی یمن، ہندستان اور ملایا پر برطانیہ، انڈونیشیا پر ہالینڈ اور ترکستان پر روس کا قبضہ تھا۔ ایران پر روس کا دباؤ تھا اور ترکی پر روس، یورپ اور برطانیہ کا دباؤ تھا۔ یہ امت مسلمہ کے سیاسی زوال کی انتہا تھی۔

اس سیاسی زوال کے ساتھ فکری پسپائی بھی تھی۔ روشن خیالی کے نام پر جو فکری تحریکیں ابھری تھیں وہ بعد میں مرعوبیت کی تحریکیں کہلائیں کیونکہ، خواہ نیک نیتی ہی سے سہی، وہ سیاسی شکست کے جواز پیش کرنے کے مختلف انداز تھے۔ استعماری تہذیب کی برتری اور اپنی تہذیب کی تحقیر کے لیے مختلف فلسفے پیش کیے جا رہے تھے۔

ڈاکٹر اعجاز شفیع گیلانی۔ گیلپ پاکستان، اسلام آباد کے چیئرمین ہیں۔

مجموعی طور پر امت مسلمہ میں اقتصادی بدحالی عام تھی۔ اگر زراعت پیشہ تھے تو اجناس کے سودے سستے ہو رہے تھے۔ اگر ہنرمند تھے تو انھیں یورپ کی مشینیں ازکار رفتہ یا بیکار کر رہی تھیں۔ اگر تیل اور دھاتوں کی معدنی دولت تھی تو ان کے سو سو سال کے سستے سودے ہو رہے تھے۔ استعمار کے سودی بنک، جہاز ران کمپنیاں، ریلیں اور سڑکیں، مسلمانوں کی دولت کو منتقل کر رہے تھے اور سستے مزدور یورپ کے ملکوں اور ان کے زیر اثر علاقوں میں اپنا خون پسینہ ایک کر رہے تھے۔ یہ اس وقت کی طاقت کا توازن تھا۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ماضی میں کیا کیا سماجی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔

قومی ریاستیں ابھر رہی تھیں۔ جرمنی اور اٹلی تشکیل پا رہے تھے۔ برطانیہ اور فرانس کے علاوہ امریکہ اور روس دنیا کے نقشے پر اہم ریاستوں کے طور پر مقام حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھے۔ قومی معیشت اور قومی ثقافت کا تصور فروغ پا رہا تھا۔ ایک اہم چیز یہ تھی کہ قومی ریاست کے فروغ کے ساتھ ساتھ حکومت کا ادارہ اپنی گرفت مضبوط کر رہا تھا۔ تعلیم، معیشت، ابلاغ اور سماجی زندگی کے وہ شعبے جو کبھی گاؤں اور محلے، دینی رہنماؤں، قبیلے اور برادری کی دسترس میں ہوتے تھے، ان سے نکل کر حکومت کی دسترس میں داخل ہو رہے تھے ---- اور حکومت استعمار کی تھی۔

بیسویں صدی کا بیشتر حصہ ان رجحانات کے فروغ اور استحکام میں گزرا۔ سیاسی طور پر قومی ریاستیں مستحکم ہو گئیں اور پرانی سلطنتوں کی کوکھ سے نئے ملک وجود میں آ گئے۔ وسیع تر تہذیبوں کے بجائے قومی تہذیب و ثقافت پروان چڑھانے کی روش رہی۔

آج جب بیسویں صدی ڈھل رہی ہے اور اکیسویں صدی کی آمد ہے تو صورت حال کیا ہے؟ اپنے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں دیکھیے، مسلمانوں کے قدم آگے بڑھے ہیں۔ انڈونیشیا سے لے کر مراکش تک مسلمانوں نے اس صدی میں آزادی کی جنگیں لڑ کر اپنی آزادی حاصل کی ہے۔ غلامی کے چند نشان باقی ہیں، وہ کشمیر میں ہوں، فلسطین میں یا کوسووا میں۔ اور وہاں سے بھی استعمار مٹ جائے گا، ان شاء اللہ! یہ کوئی چھوٹی کامیابی نہیں ہے۔

فکری پسپائی ختم ہو چکی ہے۔ ایک نئی اٹھان اور ولولہ ہے۔ گو حالات کی پس ماندگی ضرور ہے لیکن فکری پسپائی بہرحال ختم ہو چکی ہے۔ قومی ریاست کی بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھ کر اس صدی میں ہر جگہ مسلمانوں نے اپنی حکومتوں کو اسلام کا تابع بنانے کی ضرورت کو زیادہ شدت سے محسوس کیا ہے۔ انھوں نے اسلامی جماعتیں بنائی ہیں۔ گو معاشی لحاظ سے بہت خوش حالی نہیں لیکن بدحالی اور تنزل کا وہ عالم بھی نہیں جو سو سال پیش تر تھا۔

میرے خیال میں بیسویں صدی میں امت مسلمہ کے قدم آگے بڑھنے میں دو تصورات کا کردار سب

سے اہم ہے۔ اول' یہ شعور کہ مسلمانوں کو غیر مسلم استعمار سے آزادی حاصل کرنی ہے۔ چنانچہ جنگ آزادی کو ایک اسلامی فریضہ تصور کیا گیا۔ دوم' یہ شعور کہ اس صدی میں قومی حکومتیں انسانی زندگی میں اتنی دخیل ہیں کہ انھیں اسلام کے تابع کیے بغیر معاشرتی زندگی میں اسلام کا نفاذ انتہائی محال ہے۔

سوال یہ ہے کہ درحقیقت اکیسویں صدی کا چیلنج کیا ہے؟ یہ چیلنج متعین کرنے کے لیے دیکھنا چاہیے کہ آج دنیا میں کیا بڑی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ پہلی تبدیلی یہ ہے کہ دنیا سمٹ رہی ہے۔ ذرائع نقل و حمل اور رسل و رسائل میں انقلاب رونما ہو چکا ہے۔ کمپیوٹر اور سیٹلائیٹ نے زندگی جس طرح سمیٹ کر رکھ دی ہے' اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ دوسری تبدیلی یہ ہے کہ قومی ریاست یا عام معنوں میں حکومت کے اختیارات میں کمی ہو رہی ہے۔ تعلیم' معیشت اور ذرائع ابلاغ کا خاصا بڑا حصہ' حکومتوں کے علاوہ کچھ نئے اداروں کے اثر و رسوخ میں جا رہا ہے۔ ان میں سے بعض ادارے ملکوں سے بالا یعنی عالم گیر سطح پر اور بعض بالکل ہی مقامی اور چھوٹی سطح پر ہیں۔

امت مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ ان حالات میں اپنے راستے کا تعین کرے۔ آج جو چیلنج درپیش ہیں' ان کو تین طرح کے چیلنج کہا جا سکتا ہے:

۱- **حالات کی تبدیلی کا چیلنج:** دنیا سمٹ گئی ہے۔ مسلمانوں کی بین الاقوامی تنظیم کی ضرورت پہلے سے کہیں بڑھ گئی ہے۔ قومی حکومتوں کے دائرہ کار اور دائرہ اثر میں کمی ہو رہی ہے۔ ایسے ادارے بن رہے ہیں کہ جن میں سے بعض قومی ریاست سے بالا اور بعض اس کے تحت مقامی سطح پر ہیں۔ ان کے ادراک اور ان کے اندر موثر ہونے کی ضرورت ہے۔ اس میں بین الاقوامی ادارے بھی شامل ہیں اور بالکل مقامی طور پر تعلیم' صحت' سماجی بہبود اور بلدیاتی نظم و نسق کے ادارے بھی۔

۲- **ارتقا کا چیلنج:** مسلمان ملک کل غلام تھے' آج آزاد ہیں۔ اسلامی تحریکیں کبھی بے سروسامانی کی حالت میں قائم کی گئی تھیں' آج الحمدللہ دنیا کے گوشے گوشے میں کثیر التعداد عوامی جماعتیں ہیں۔ ان تبدیلیوں کے مطابق لائحہ عمل اور تنظیم کے ارتقا کی ضرورت ہے۔ بعض صورتوں میں یہ ارتقا جمود کا شکار ہے۔ تنظیم کی زندگی کے لیے ثبات اور تغیر دونوں کی اہمیت کے لحاظ سے' کچھ چیزیں مستقل اور بعض تبدیل ہوتی رہنی چاہییں۔ ثبات و تغیر کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے کیسے ارتقا ہو' یہ ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔

۳- **فکری و تہذیبی انارکی کا چیلنج:** گو کہ دنیا سمٹ کر ایک ہو رہی ہے لیکن اس نئی اکائی کو منظم کرنے کے لیے نہ کوئی "فکر" ابھری ہے' نہ کوئی ایسی قوت جو اپنی اخلاقی برتری کے سبب قیادت کی اہل تسلیم کر لی جائے۔

ابھی تک جو نقشہ ابھرا ہے اس میں چند معاملات پر عالم گیر گرفت کی کوشش ہو رہی ہے۔ اس میں ا-

انسانی حقوق کا تحفظ' ۲- تجارت اور مالی معاملات کی تنظیم' ۳- دہشت گردی کا تدارک' ۴- منشیات کی تجارت کی روک تھام' ۵- ماحول کی آلودگی سے بچاؤ' سرفہرست ہیں۔ لیکن ان عالم گیر تصورات کو کامیابی اور مقبولیت نصیب نہیں ہو رہی کیونکہ اولاً ان کے پیچھے کوئی اخلاقی فکر نہیں جو انسانوں کے دلوں میں گھر کر لے۔ دوسرے یہ کہ ان عالم گیر تصورات کے موید اور ترویج دینے والے لوگ خود شدید نفاق کا شکار ہیں۔ اس لیے کہ وہ جو کہتے ہیں' کرتے نہیں۔ مثلاً آزاد عالم گیر تجارت کا موید ہونے کے باوجود خود امریکہ اور یورپ آزاد تجارت کے راستے میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ پاکستانی کپاس ہی کو دیکھ لیں کہ وہ کوٹے کے بغیر ان ملکوں میں نہیں جا سکتی۔

انسانی حقوق کے تحفظ کے نعرے اپنے قومی مفادات کے حصول کے لیے ایک ہتھیار کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ جہاں اور جب اپنے قومی مفاد میں ہوا' اسے استعمال کر لیا اور جب چاہا ترک کر دیا۔ کبھی چین کے خلاف' کبھی ایران اور عراق کے خلاف' مگر کشمیر میں اجتناب۔

سب سے زیادہ منظم دہشت گرد اور جرائم پیشہ گروہ انھی ممالک میں پروان چڑھتے ہیں جو ان پر گرفت کے دعوے دار ہیں۔ ان کے طرز زندگی اور معیشت میں وہ عناصر شامل ہیں جو انھیں فروغ دیتے ہیں۔ اس طرز زندگی میں جوا' شراب' فحاشی اور تشدد کی موجودگی میں بین الاقوامی دہشت گردی کو کیسے روکا جا سکتا ہے۔ اس اصل دہشت گردی کو بھول کر ان لوگوں کو دہشت گرد کہنا جن کی راتیں عبادت میں اور دن فساد کے خلاف جہاد میں گزرتے ہیں' نفاق کی نشانی ہے۔ منشیات کی تجارت کو روکنے کا دعویٰ کرنے والے سب سے مہلک نشہ آور شے یعنی شراب کو قانونی تحفظ دے کر اسے فروغ دیتے ہیں۔ شراب نہ پینے والوں کا تمسخر اڑاتے ہیں۔

ماحول کی آلودگی کا رونا رونے والوں کا یہ حال ہے کہ ایک حالیہ مطالعے کے مطابق یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں پیدا ہونے والا ہر بچہ اپنی زندگی میں دنیا کے اہم ذخائر یعنی تیل' پانی' جنگلات وغیرہ کو غریب ملک میں پیدا ہونے والے بچے سے ۲۵ گنا زیادہ استعمال کرتا ہے۔ یعنی اس کرہ ارض کے وسائل پر ۲۵ گنا زیادہ بوجھ ڈالتا ہے۔ اس کے بعد ماحول کی آلودگی کے طعنوں کا رخ غریبوں پر کرنا' دوغلا پن نہیں تو اور کیا ہے۔

میرے اس نکتے کا خلاصہ یہ ہے کہ اکیسویں صدی میں داخل ہوتے ہوئے' اور دنیا کی ایک اکائی بنتے ہوئے ایسی فکر' قیادت اور لائحہ عمل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو اس کے مشترکہ مسائل کو حل کرے' جسے اخلاقی قبولیت نصیب ہو سکے اور اسے انصاف کے ساتھ رائج کرنے کا اہتمام ہو۔

یہ بات کچھ عجیب سی لگ سکتی ہے کہ اس کھلے آسمان کے نیچے' مسجد کے فرش اور گھاس پھوس پر بیٹھے ہوئے یہ مرد و زن' ان عالم گیر مسائل کا ادراک کریں اور ان کے حل کی قیادت کا خواب دیکھیں جو آج کے

قیصر و کسریٰ کی دسترس سے باہر ہیں۔ لیکن خدا کی قسم! یہی ہماری تاریخ ہے۔ اللہ کی قدرت تھی کہ اس نے عرب کے بے آب و گیاہ ریگستان میں ایک یتیم بچے پر اپنی وہ ہدایت نازل کی جس سے دنیا کا نقشہ بدل کر رہ گیا۔ سید مودودیؒ تفہیم القرآن میں سورۃ الروم کی تفسیر لکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ جب غلبہ روم کی وحی نازل ہوئی تو کفار مکہ نے ٹھٹھا کیا کہ جن کے تن پر کپڑے نہیں' یہ روم کے خواب دیکھتے ہیں۔ لیکن ہدایت کا یہ سرچشمہ تھا کہ جس نے ایک دن سلطنت روم کے دارالحکومت کو مسلمانوں کے شہر اسلامبول' یا معروف الفاظ میں استنبول بنا دیا' اور اس دوران دنیا بھر کے لیے عدل و انصاف' نظم و ضبط اور اخلاق کے عالم گیر اصول تشکیل دے دیے۔

میرا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ اکیسویں صدی میں انسانی تہذیب کے تحفظ اور فروغ کے لیے اللہ تعالیٰ کو کہیں نہ کہیں سے ہدایت دینی ہے--- فرد کی زندگی میں نئی روح پھونکنے کے لیے' خاندانی زندگی کے تحفظ کے لیے' مال و شہوت کی ہوس کی تحدید کے لیے' خود غرضی اور نفسا نفسی کے بجائے اخوت و ایثار کے طرز زندگی کے لیے۔ اگر ہم اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کریں تو شاید اللہ یہ فریضہ ہمیں سونپ دے۔

ممکن ہے کہ تنہا کسی ایک ملک کے مسلمانوں میں یہ صلاحیت نہ ہو لیکن نئی ٹکنالوجی اور عالم گیریت (globalization) کا چرچا ہے۔ اس میں آج یہ جوہر موجود ہے کہ عالم اسلام کے نیک اور اہل لوگ مل جل کر اس فریضے کو سرانجام دینے کی صلاحیت حاصل کر لیں۔ عین ممکن ہے کہ اکیسویں صدی اور اس کی عالم گیریت کے ہتھیار زیر ہو کر عالم گیر امت مسلمہ کی تشکیل کا وسیلہ بن جائیں۔

تاریخ کا سبق ہے کہ تہذیبیں وہی عالم گیر بنتی ہیں جو اپنے محدود مسائل کے بجائے عالم انسانیت کے مسائل کو حل کرنے نکلتی ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اگر وہ کامیاب ہو جائیں تو ان کی اپنی مخصوص تہذیب ہی سب کا مرجع بن جاتی ہے۔

بیسویں صدی میں ہم نے اپنی آزادی کی جنگیں لڑیں۔ شاید اللہ نے یہ مقدر کیا ہے کہ اکیسویں صدی میں ہم اس نئی عالم گیر تہذیب کے صحت مند فروغ اور انسانی تہذیب کے تحفظ کی لڑائی لڑیں گے۔ بیسویں صدی میں ہم نے مسلمانوں کی ریاستوں میں سیاسی تنظیم کی' سیاسی جماعتیں بنائیں' اکیسویں صدی میں ہم عالم اسلام اور عالم انسانیت پر محیط وہ تنظیمیں بنائیں گے کہ جو دنیا بھر کے مسلمانوں اور نیک فطرت انسانوں کے ذریعے انسانی تہذیب کو مثبت سمت دیں گی۔

ان حالات میں' جہاں یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے روز مرہ مسائل اور کل کی فکر کریں وہاں یہ بھی انتہائی اہم ہے کہ:

اول' ہم نظر کو وسیع کریں' سال دو سال کی نہیں' پچاس سال کی سوچیں اور اکیسویں صدی کے نصف

تک پہنچنے کا لائحہ عمل بنائیں۔ یہ بہت طویل مدت نہیں۔ ہم میں سے کئی ایسے ہیں کہ جنھیں اپنی زندگی کی نصف صدی کا لمحہ لمحہ یاد ہے۔

دوم' تمام عالم کو اپنا میدان عمل بنائیں۔

سوم' تمام انسانوں کو اپنا مخاطب سمجھیں۔

یہ تینوں کام ایسے ہیں کہ مسلمان کی فطرت میں ان کا جوہر موجود ہے۔ بس اہلیت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ تحریکات اسلامی اور دیگر سلیم الفطرت تنظیموں کو یہ توفیق دے کہ وہ عامتہ الناس میں یہ اہلیت پیدا کرنے میں معاون ہوں۔ اللہ نے چاہا تو اکیسویں صدی میں یہ دنیا بدل سکتی ہے۔

اس سلسلے میں کچھ امور اجتماعی طور پر تنظیموں کے لیے' اور کچھ انفرادی طور پر افراد کے غور کے لیے پیش ہیں:

تنظیمی چیلنج

۱۔ امت مسلمہ میں ہر جگہ مسلمانوں کو اپنی بلدیاتی تنظیم یا لوکل گورنمنٹ کو موثر بنا کر اس میں کلیدی کردار ادا کرنا چاہیے۔ اس طرح کہ اس آبادی کے تمام مکینوں کے مشترکہ مفادات کا تحفظ ہو سکے۔ یہ بلدیاتی دائرہ بالعموم بہت مختصر ہو گا۔ پاکستان جیسے بڑے ملک میں بھی بلدیاتی وارڈ کی سطح پر جب مردم شماری ہوئی تو ایک وارڈ کی آبادی اوسطاً صرف دو سو گھروں پر مشتمل ہے۔ ملک میں اس طرح کے صرف ایک لاکھ وارڈ ہیں۔

۲۔ اسلامی تنظیموں کو ایسے قائدین تیار کرنے کی نرسری بننا چاہیے جس میں تربیت پا کر یہ افراد اپنی ذات میں ایک انجمن ہوں۔ اس عمل کو روایتی تنظیم سازی پر ترجیح دی جائے۔ اگر پاکستان کے ایک لاکھ وارڈ میں اس طرح کے قائدین موجود ہوں تو شاید اس ملک کی تقدیر بدل جائے۔ یہی مثال دیگر مسلم ممالک پر بھی لاگو ہوتی ہے۔

۳۔ اپنے مقامی دائرے میں' بستی' برادری اور خاندان کے محور میں تعلیم' علاج' سماجی بہبود اور انصاف کے ایسے آزاد ادارے بنائے جائیں جو قومی حکومتوں کی محتاجی کے بغیر آزاد معاشرے کو مستحکم کر سکیں۔ میری نظر میں' اکیسویں صدی میں' استعمار کے جارحانہ عزائم کے خلاف سب سے بڑی ڈھال یہی مقامی ادارے ہوں گے۔

۴۔ مسلمان علما' ماہرین' اہل دانش اور کاروباری لوگوں کو چاہیے کہ وہ نئی عالم گیر ٹکنالوجی کے بھرپور استعمال سے اپنے عالم گیر روابط تشکیل دیں تاکہ امت مسلمہ کی عالم گیر کوششوں سے عالم انسانیت کے مسائل کے حل کی جانب پیش رفت ہو۔

انفرادی چیلنج

۱۔ اگر آپ نوجوان ہیں تو علم حاصل کریں کہ اکیسویں صدی میں علم و ہنر کی بڑی اہمیت ہے، اس سے کہیں زیادہ جتنی بیسویں صدی میں تھی۔ اپنے پیشے کے ہنرمند بنیں۔ یہی چیز آپ کو اپنے معاشرے میں توجہ کا مرکز اور مرجع بنائے گی۔

۲۔ اگر آپ پیشہ ورانہ تعلیم سے آراستہ ہیں، تو یاد رکھیے کہ آپ کو صرف پاکستان ہی میں نہیں، دنیا میں نام پیدا کرنا ہے۔

۳۔ اگر آپ تنظیم سے وابستہ ہیں تو یاد رکھیے کہ آپ کی تنظیم برائے تنظیم نہیں ہے، بلکہ اپنی اور معاشرے کی اصلاح کے لیے ہے۔

۴۔ اگر آپ تنظیم میں قیادت کے مرتبے پر فائز ہیں تو یاد رکھیے کہ آپ کی قیادت بڑی ادھوری ہے، جب تک آپ اپنی آبادی کی توجہ کا مرکز یا مرجع نہیں بنتے۔ صرف اپنی ہی تنظیم کا قائد ہونا کافی نہیں۔

اگر آپ اپنی اپنی بستی اور اپنے اپنے پیشے میں اہلیت، امانت اور انصاف کا نشان بن جائیں تو معاشرے کا مرجع ان شاء اللہ ضرور ہوں گے۔

اگر آپ تنظیم کی سمت کا تعین کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ بار عظیم بھی ڈالا ہے کہ آپ کی ترجیحات محض آپ کی نہیں، لاکھوں اور کروڑوں نیک دل انسانوں کی ترجیحات ہیں۔ آپ کے اقدامات کو محض آج کے نہیں، اگلے پچاس سال کے نفع و نقصان کے پیمانے پر تولا جائے گا۔ آپ جس سمت کا تعین کریں گے اس کے اثرات اس ملک پر ہی نہیں، بلکہ آج کی اس سمٹی ہوئی دنیا میں عالم اسلام اور عالم گیر سطح پر ہوں گے۔ یہ نہایت اہم ذمہ داری ہے۔

یہ دنیا بدل سکتی ہے۔ آج ۱۹۹۸ ہے، صرف ۲۰ برس پیش تر ۷۹/۱۹۷۸ میں ایک ملک کا سفیر یہ کہتا تھا کہ پاکستان افغان مجاہدین کی مدد بند کر دے ورنہ اسے نیست و نابود کر دیں گے۔ اب بیس سال میں اس وقت کا سوویت یونین کم از کم ۱۵ حصوں میں تقسیم ہو چکا ہے۔

پھر بھی انسان عبرت نہیں پکڑتے!

یہ دنیا آج بھی بدل سکتی ہے۔ یہ آج بھی ایک انقلاب کی منتظر ہے!

(اجتماع عام، اسلام آباد میں پڑھا گیا، ۲۵ر اکتوبر ۱۹۹۸)

رحمة للعالمین محترم رشید اللہ یعقوب کی انتہائی خوب صورت، دل کش کتاب درج ذیل پتے سے ہدیہ کے طور پر حاصل کی جا سکتی ہے۔

رحمة للعالمین ریسرچ سنٹر، مکان نمبر 8/ زمزمہ اسٹریٹ نمبر 3، کلفٹن، کراچی 75600